مقالاتِ شیرانی میں واقعات و سانحات کا تحقیقی و توضیحی جائزہ

ڈاکٹر فیض رسول انصاری، شعبۂ اُردو، گورنمنٹ کالج شاہدرہ، لاہور

Abstract

Judged by the volume of his writing and the diversity of his themes Hafiz Mehmood Sheranis is a variegated and prolific writer. A considerable portion of his writings deal with factualities pertaining to different historical epochs. These historical digressions shalter certain misconception and provide. The reader with a larger perspective to help him form a more informed opinion about the topic under discussion. Present reserach articale aims to evaluate the accuracy of this so called "historical content" of Shiranies writings and to establish validirty.

دُنیائے تحقیق کے عظیم شاہکار حافظ محمود شیرانی (۵، اکتوبر ۱۸۸۰ء - ۱۵، فروری ۱۹۴۶ء) ایک تاریخ ساز محقق و نقاد تھے۔ علاوہ ازیں آپ ایک بلند پایہ عالم، عالی مرتبت استاد، مورخ، صاحب طرز مصنف، منفرد لہجے کے شاعر، صاحب فکر ونظر دانشور ہونے کے ساتھ ساتھ سکّہ، کتبہ، مہر، تصویر، قدیم کاغذ، روشنائی، آرائش، علم الخط، نقش و نگار اور علم و ادب پر بھی گہری دسترس رکھتے تھے۔

ابتدائی تعلیم ٹونک میں حاصل کی جس میں فارسی زبان و ادب کو نمایاں مقام حاصل تھا۔ قرآن پاک بھی حفظ کیا۔ اورینٹل کالج لاہور سے منشی عالم اور منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ مزید تعلیم کے حصول کے لیے لندن چلے گئے جہاں مطالعہ اور کتب بینی کو ہر حالت میں ترجیح دی[1]۔ ذوق مطالعہ کے باعث قیام لندن کے دوران اُن کا زیادہ تر وقت کتب خانوں میں گذرتا تھا۔ بقول سر شیخ عبد القادر ''حافظ محمود شیرانی نے علمی دولت کو سمیٹنا شروع کیا اور مالی سرمایہ سے بے نیازی اختیار کی[2]۔'' شیرانی صاحب کو جب لندن میں حصول معاش کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے کوئی اور شعبہ اختیار کرنے کی بجائے کتب خانے میں قلیل معاوضہ پر کام کرنا پسند کیا۔ اگر ہم حافظ شیرانی کی سوانحی زندگی کا مطالعہ کریں تو ہمیں بقول رشید حسن خان پتہ چلتا ہے کہ ''شیرانی صاحب کی تحقیقی زندگی کا آغاز ۱۹۲۰ء سے ہوتا ہے جس کا سلسلہ ۱۹۴۶ء میں اُن کی زندگی کے ساتھ ختم ہوا۔''[3] اِس عرصے میں حافظ شیرانی نے مختلف موضوعات پر قلم اُٹھایا اور اُردو ادب میں بیش بہا مقالات کا اضافہ کیا۔ اِن کے یہ نادر مقالات مختلف ادبی پرچوں مثلاً مخزن، ماہ نو، فنون صحیفہ، کارواں، ست رنگ اور ہندوستانی میں بکھرے ہوئے تھے جنہیں بقول ڈاکٹر خلیق انجم ''خُدا بھلا کرے حافظ محمود شیرانی کے پوتے مظہر محمود شیرانی صاحب کا جنہوں نے آٹھ (موجودہ دس) جلدوں میں شیرانی صاحب کے مقالات مرتب کر کے لاہور سے شائع کر دیئے ہیں۔''[4] لیکن مولوی محمد شفیع کے مطابق ''اُن کے مضامین کا سلسلہ جو اورینٹل کالج میگزین اور رسالہ اُردو میں چھپا وہ پائیدار اہمیت اور مستقل قدر و قیمت رکھتا ہے اِن مضامین نے اُردو مضمون نگاری

کے معیار کو طاقِ بلند پر پہنچایا اور طالبانِ علم کے سامنے نئے نئے سرمشق پیش کیے۔''۵ اِس میں شک نہیں کہ یہ تاریخی، لغوی، تحقیقی، ادبی اور لسانی مضامین نہ صرف اُردو ادب کا عظیم سرمایہ ہیں بلکہ ادب کے قاری کے لیے تحقیق وتنقید کے نئے نئے راستے بھی وا کرتے ہیں۔ سید سلیمان ندوی کا کہنا ہے کہ ''اِن مضامین میں بہت سی مشہور عام باتوں کی تصحیح اور تنقید کی گئی ہے یا گذشتہ معلومات کے سرمایہ نیا اضافہ کیا گیا ہے۔۶

زیرِ نظر مضمون میں ''مقالات حافظ محمود شیرانی'' جلد اوّل، دوم، سوم اور نہم جن کا تعلق اُردو زبان و ادب اور اِس سے وابستہ شخصیات اور تصانیف سے ہے جنھیں مجلس ترقی ادب لاہور نے شائع کیا ہے اِن میں مذکور واقعات و سانحات کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ واقعات تاریخی، ادبی اور رومانوی نوعیت کے ہیں۔ ذیل کی سطور میں بالترتیب اِن (جلد اوّل، دوم، سوم اور نہم) کا تحقیقی وتوضیحی جائزہ مستند کتب کے حوالے سے پیش کیا جاتا ہے۔

- **قرن سابع ہجری کے خونیں واقعات** (جلد اوّل، ص: ۱۰)

ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا اور ''ادب نامہ ایران'' میں قرن سابع ہجری کے خونیں واقعات کی تفصیل کچھ اِس طرح بیان کی گئی ہے:

> ''ساتویں صدی کے آغاز میں ایران اور دیگر ممالک ایک بہت بڑے تاریخی سانحے کا شکار ہوئے۔ خونخوار منگولوں کے حملے چنگیز خاں کے دور حکومت ۶۱۹ ہجری تک جاری رہے۔ اِس کے بعد بھی منگولوں اور تاتاریوں کی طرف سے ۶۵۱ھ۔ ۶۵۶ھ کی مدت تک مسلسل یلغار جاری رہی۔ ہلاکو خاں نے ایران و عراق کے مراکز پر تسلط کر کے مزید تباہی و بربادی پھیلائی۔''۷
>
> ''تاتاری یلغاروں میں چالیس پچاس لاکھ انسانوں کا خون بہہ گیا۔ شہروں کے شہر پیوند زمین ہوئے۔ مدارس اور خانقاہوں کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ بڑے بڑے قدیم علمی ذخیرے تاتاری آندھیوں نے ورق ورق کر کے اُڑا دیئے۔''۸

- **آل برآمکہ جو خلیفہ ہارون الرشید کی وزارت کے لیے مشہور ہیں** (ص: ۶۱)

لفظ ''برمک'' اصل میں ''برمغ'' تھا۔ بلخ کے آتش کدہ نوبہار کے متولی کو اہلِ فارس برمُغ کہتے تھے۔ اہلِ عرب برمغ کو معرّب کر کے برمک کہنے لگے برآمکہ اِسی خاندان کے افراد کو کہتے ہیں یہ خاندان بلخ سے دمشق آیا اور خاندان عباسیہ کے دربار سے وابستہ ہو گیا۔

خاندانِ عباسیہ (۷۴۹ء۔ ۱۲۵۸ء) کے پہلے پانچ خلفاء اس لحاظ سے بہت خوش قسمت تھے کہ اُنہیں برمکی خاندان کے قابل وزراء میسر آئے جنھوں نے پچاس سال تک (۷۴۹۔ ۸۰۸) امور خلافت کو دیانت داری سے چلایا۔ یہ وزراء علم و ادب کے بہت محسن تھے اِن کی سخاوت اور مہمان نوازی زبان زد خلائق تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ برمکی وزراء نے اپنی گوناں گوں صلاحیتوں سے عباسی حکومت کو چار چاند لگائے۔

جب عباسی خلافت قائم ہوئی تو ابوالعباس السفاح کے عہد میں خالد برمکی عہدہ وزارت پر فائز ہوا۔ خالد کا بیٹا یحییٰ برمکی نہ صرف شہزادہ ہارون کا استاد تھا بلکہ ہارون کے عہد حکومت میں عہدہ وزارت پر بھی فائز ہوا۔ یحییٰ کے عہدہ وزارت میں فلسفے کی

بعض اہم کتب کے تراجم ہوئے اور علمی ذوق پیدا کرنے کے لیے ''بیت الحکمت اور مجالس مناظرہ'' قیام عمل میں آیا۔ یحییٰ کی ضعیفی کی وجہ سے اُس کا بیٹا فضل برمکی ہارون الرشید کا وزیر بنا لیکن کچھ عرصے بعد اُس کے بھائی جعفر برمکی کو یہ منصب عطا ہوا۔ جعفر برمکی وہ جلیل القدر شخص ہے جس کی وجہ سے برمکی خاندان کو انتہا کی شہرت نصیب ہوئی۔ مختلف علوم وفنون کو بہت ترقی ہوئی۔ ملک خوشحال اور عوام مطمئن تھے لیکن جعفر برمکی ہی وہ بدنصیب شخص تھا جس کے وجہ سے اِس رفیع الشان خاندان کا خاتمہ ہوا۔ جعفر امور خلافت میں کچھ اس طرح دخیل ہو چکا تھا کہ خلیفہ اپنے آپ کو بے بس سمجھنے لگا یہی بے بسی نہ صرف جعفر کے قتل کا سبب بنی بلکہ پورا خاندان ہارون الرشید کے ہاتھوں صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔۹

● تلک نے نیالتگین کو شکست دے کر بغاوت کو فرو کیا (ص: ۸۵)

امیر مسعود سلطان محمود غزنوی کا بیٹا تھا جس نے اپنے بھائی محمد کو اندھا کر دیا تھا اور خود ۱۰۳۰ء میں بادشاہ بنا۔ آخر کار اپنے بھتیجے احمد بن محمد کے ہاتھوں دوران قید ۱۰۴۱ء میں قتل ہوا۔ مسعود اپنے باپ کے ہندوستانی مفتوحہ صوبوں کو برقرار رکھنے کی غرض سے کئی مرتبہ ہندوستان بھی آیا لیکن اپنی سلطنت میں توسیع نہ کر سکا۔ بغاوت کا مذکورہ واقعہ اِس کے عہد میں پیش آیا جس کی تفصیل ''طبقات اکبری'' میں ان یوں بیان کی گئی ہے:

> ''تلک بن جے سین عہد غزنوی کا ایک اعلیٰ عہدے دار تھا امیر مسعود کو جب احمد بن نیالتگین (والیٔ ہند) کی بغاوت (۱۰۳۵ء) کی اطلاع ملی تو تلک کو بغاوت ختم کرنے کے لیے مقرر کیا گیا۔ دونوں میں معرکہ ہوا جس میں نیالتگین کو شکست ہوئی۔ تلک نے اُس کا سر کاٹ کر امیر مسعود کے دربار میں بھیج دیا۔''۱۰

● امیر تیمور کا حملہ ہند (ص:۱۶۱)

ہندوستان کی سرزمین پر جہاں بہت سے حملہ آور آئے اُن میں سے ایک نام امیر تیمور کا بھی ہے۔ براعظم ایشیا کا عظیم ترین فاتح امیر تیمور (۱۳۳۶ء-۱۸۰۷ء) جب ۱۳۷۱ء میں تخت نشین ہوا تو فتوحات کا ایک وسیع سلسلہ شروع کیا۔ کئی ایک مقامات پر اپنے دشمنوں کی کھوپڑیوں کے مینار بنوائے۔ ہزاروں شہریوں کو تہہ تیغ کیا۔ ایران، حلب، دمشق، بغداد، انگوریہ اور مصر تک لشکر کشی کی۔

> ''۸۰۰ میں پورے ہندوستان یہ خبر مشہور ہوئی کہ امیر تیمور ہندوستان پر حملہ آور ہونے کے لیے آ رہا ہے جس سے ہندوستان میں ایک افراتفری کی کیفیت پیدا ہوگی تغلق فرمانروا ناصر الدین محمود دہلی چھوڑ کر پہلے گجرات پھر مالوہ چلا گیا۔ امیر تیمور جب ہندوستان میں آیا تو اُس نے پنجاب سے لے کر دہلی تک تباہی و بربادی پھیلا دی۔ گجرات کے چونکہ سیاسی و معاشی حالات بہتر تھے بہت سے لوگ گجرات ہجرت کر گئے۔ امیر تیمور نے ہندوستان میں آ کر لوٹ مار کی اور واپس چلا گیا۔''۱۱

بشیر الدین احمد کے مطابق:

> ''تیمور کہنے کو تو صرف پانچ ہی مہینے ہندوستان میں رہا لیکن جو مظالم اِس نے اور اُس کی سپاہ نے کیے اُن کو ہندوستان آج تک نہیں بھولا۔ تیمور نے اپنی سوانح عمری ''ملفوظات تیموراتی'' جو اُس نے خود لکھی ہے اِن تمام ہولناک واقعات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔''۱۲

- **بغاوت امیرانِ صدہ کا واقعہ** (ص:۲۰۲)

ڈاکٹر جمیل جالبی نے ''بغاوت امیرانِ صدہ'' کے واقعہ کی تفصیل کچھ اِس طرح بیان کی ہے کہ:

> ''خلجی خاندان کے عظیم فرمانروا علاؤ الدین خلجی نے دکن و گجرات کے فتح شدہ علاقوں کے انتظام کو مزید بہتر بنانے کے لیے سو سو گاؤں کے علاقے تقسیم کر کے اِن پر ایک ترک سردار کو مقرر کیا۔ یہ ترک سردار ''امیر صدہ'' کہلاتا تھا۔ شعبہ مالیات، اپنے علاقے کا نظم و نسق اور فوج کی ذمہ داری امیر صدہ کے سپرد تھی۔ ترک امیر اپنے خاندان کے تمام افراد کے ساتھ مل جل کر رہتے تھے اِس طرح تمام ''امیرانِ صدہ'' کے آپس میں وسیع خاندانی مراسم پیدا ہو گئے تھے۔ یہ سلسلہ خاندان تغلق کے بادشاہ محمد تغلق تک پہنچا جنھوں نے محمد تغلق کی کمزوری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اِس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور متحد ہو کر پورے دکن پر قبضہ کر لیا اور ایک امیر علاؤ الدین کو ۷۴۸ میں اپنا بادشاہ منتخب کر لیا جس نے بہمنی کے لقب کے ساتھ ایک نئی سلطنت کی بنیاد رکھی اِس طرح سلطنت بہمنیہ ۷۴۸ سے لے کر ۹۳۲ تک (ایک سو چوراسی سال) دکن پر برسرِ اقتدار رہی۔'' ۱۳

- **جلال الدین اکبر کی فتح گجرات کا واقعہ** (ص:۲۷۶)

ہمایوں کا بیٹا جلال الدین محمد اکبر ۱۵۴۲ء کو پیدا ہوا۔ بارہ سال نو ماہ کی عمر (۱۵۵۶) بادشاہ بنا۔ اپنی سلطنت کو گجرات، بنگال، کشمیر اور سندھ تک وسعت دی قلعوں کے علاوہ فوجی عمارتیں بھی بنوائیں۔ ۵۱ برس نو ماہ حکومت کرنے کے بعد ۱۶۰۵ میں فوت ہوا۔ فتح گجرات کا واقعہ کچھ یوں ہے:

> ''سلطان محمود والئی گجرات کے انتقال کے بعد سلطان مظفر عرف نتھو اپنے امراء اور فرمانراؤں کی فتنہ پردازیوں سے تنگ آ کر مارا مارا پھرتا رہا۔ لوگ اُسے گرفتار کر کے لائے۔ اکبر نے از راہ مدارتِ اُس کی جان بخشی کر کے قید میں رکھا۔ اعتماد خاں خواجہ سرا جس کے ہاتھ میں گجرات کا انتظام و انصرام تھا دیگر امراء سمیت حاضر دربار ہوا اور کسی بڑی جنگ جدل کے بغیر گجرات (۹۸۰ میں) فتح ہو گیا۔'' ۱۴

شہنشاہ اکبر نے گجرات سے روانہ ہونے سے پہلے شمال گجرات کی صوبہ داری مرزا عزیز کوکلتاس کو عطا کی اور جنوبی گجرات اعتماد خاں کے حوالے کیا اور خود احمد آباد روانہ ہو گیا۔

- **گجری دبستان دکنی دبستان کے ذیل میں شمار ہونے لگا** (ص:۲۷۷)

اکبر کی فتح گجرات (۹۸۰) کے بعد یہاں کے تہذیبی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی حالات میں اِس حد تک تبدیلی آ جاتی ہے کہ گجری اُردو لکھنے والے اہلِ علم و ادب اپنے مربیّوں کی شفقت اور سرپرستی سے محروم ہو جاتے ہیں جس کے نتیجے میں گجری ادیب و شاعر گجرات سے دکن اور اُس کے اطراف میں ہجرت کر جاتے ہیں اور جو رہ جاتے ہیں اُن کی آواز بے اثر ہو کر رہ جاتی ہے۔

جونہی مغلوں نے گجرات کو فتح کیا تو سلاطین دکن نے گجرات کے اہلِ علم و ادب اور باکمالوں کی ایسی حوصلہ افزائی کی

کہ دیکھتے ہی دیکھتے گجرات اہلِ علم و ہنر سے محروم ہو گیا جس کے نتیجے میں دکن نے مختصر عرصے میں ایک مرکز کی حیثیت اختیار کر لی۔ گیارہویں صدی ہجری کے اوائل میں گولکنڈہ پر اُردو کا صاحبِ دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ حکمرانی کر رہا ہے اور بیجا پور میں ''کتاب نورس'' کے مصنف ابراہیم عادل شاہ ثانی (م ۱۰۳۷) کی حکومت ہے۔ گولکنڈہ میں وجہی اور غواصی موجود ہیں اور بیجا پور میں ملا نورالدین ظہوری، ملک قمی، ابوالقاسم فرشتہ، عبدل اور حسن شوقی اپنی صلاحیتوں سے اُردو زبان میں اپنے جوہر دکھا رہے ہیں۔ اہلِ علم و ادب سے سارا دکن جگمگا رہا ہے۔ ہندوستان پر اکبر کے بعد جہانگیر کی بادشاہت ہے۔ اصل میں گیارہویں صدی ہجری اُردو ادب کی تاریخ میں دکن کی صدی ہے۔ ۱۵

● عادل شاہی اور کتب شاہی خاندان اُردو نوازی کے لیے مشہور ہیں (ص: ۲۷۷)

عادل شاہی خاندان بیجاپور میں ۸۹۵ تا ۱۰۹۷ تک برسرِ اقتدار رہا۔ اِس سلطنت کے قیام سے مدتوں پہلے بیجاپور میں اُردو زبان عام ہو چکی تھی۔ ادنیٰ و اعلیٰ، امیر غریب سب اِسی زبان میں گفتگو کیا کرتے تھے۔ جب ابراہیم عادل شاہ برسرِ اقتدار آیا تو اُس نے اُردو زبان کو نہ صرف خوب فروغ دیا بلکہ اِسے سلطنت کی زبان بھی قرار دیا۔ اِسی عہد میں شعر و شاعری کو خوب فروغ ملا اور بے شمار اُردو گو شعراء منظرِ عام پر آئے اِن میں جانمؔ، عبدلؔ، مقیمیؔ، عاجزؔ، شاہیؔ، نصرتیؔ نمایاں ہیں اور بقول ڈاکٹر انوری بیگم ''عادل شاہی عہد میں جذبات و احساسات، تفسیرات و تخیلات اور شعریت و فنی حُسن پر زیادہ زور صرف کیا گیا۔ موضوعات میں اخلاق، تصوف اور عشق مقبول رہے۔'' ۱۶

قطب شاہی خاندان نے گولکنڈ پر ۹۱۴ تا ۱۰۹۸ تک حکومت کی قطب شاہی سلطنت کے تین بادشاہ سلطان محمد قلی قطب شاہ (۹۸۸ھ۔۱۰۲۰ھ) اور اُس کے دو جانشین سلطان محمد (۱۰۲۰ھ۔۱۰۲۵ھ) اور سلطان عبد اللہ قطب شاہ (۱۰۳۵ھ۔۱۰۸۳ھ) زبان اُردو کے صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ کا عہد تاریخ میں خاص امتیاز رکھتا ہے۔ اِن کی شاعری صرف عشق و محبت، نعت و منقبت اور مرثیے تک محدود نہیں تھی بلکہ تہذیب و معاشرت اور مظاہرِ فطرت پر بھی نظر ڈالتی ہے۔ اس عہد کے شعراء میں احمد، فیروز، محمود اور وجہی خاص طور پر قابلِ ذکر شاعر ہے۔ ۱۷ اور بقول نصیر الدین ہاشمی ''نظم کے ساتھ نثر بھی اِس زمانہ میں لکھی جاتی رہی اور اِس میں تصوف اور اخلاق کے ساتھ داستان بھی لکھی گئی ہے ''سب رس'' اِس دور کی نثر کا بہترین نمونہ ہے۔ ۱۸

● ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام (جلد دوم، ص: ۱۱۹)

برصغیر پاک و ہند میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام ایک تاریخ ساز واقعہ ہے۔ ملکہ الزبتھ اوّل (۱۵۵۸۔۱۶۰۳) کے عہد میں انگریز تاجروں نے ہندوستان سے تجارتی تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اُس عہد میں ہندوستان کی تجارت پر ولندیزوں کی گرفت تھی۔ تاجروں کے جہازی قافلے ایک دوسرے کو لوٹ لیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بقول ڈاکٹر مبارک علی ''ایسٹ انڈیا کمپنی کو ۲۱۸ تاجروں نے مل کر بنایا۔ کمپنی کے انتظام کے لیے دو ''کورٹ آف ڈائریکٹرز'' کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی قائم ہوئی وہ زمانہ ''تجارتی سرمایہ داری'' کا تھا۔'' ۱۹ لندن کے اِن تاجروں نے مل کر ملکہ الزبتھ سے ہندوستان میں تجارت کرنے کی اجازت طلب کی۔ ۱۶۰۰ میں ملکہ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان میں تجارت کرنے کے لیے

ایک فرمان جاری کیا۔ جس کا مقصد بقول باری ''قوم کی ترقی، ملک کی فلاح، جہازوں کی تعمیر اور ذرائع آمدورفت کی توسیع'' قرار دیا گیا۔۲۰

ہندوستان میں تجارتی اجارہ داری حاصل کرنے کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے یہاں کام کرنے والی یورپی کمپنیوں کو شکست دی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں سہولتیں حاصل کرنے کے لیے سرکاری عہدے داروں کو تحائف اور رشوتیں دینا شروع کر دیں۔ اورنگ زیب کے عہد میں کمپنی کو مغلیہ سلطنت میں تجارت کی اجازت ملی۔ فرخ سیر کے عہد (۱۷۱۴) میں اُنہیں تجارتی اشیاء پر کسٹم ڈیوٹی معاف ہوئی۔ اِس کے بعض کمپنی نے تجارت کے ساتھ ساتھ سیاست کے میدان میں بھی قدم رکھا۔ اور ہندوستان کے بہت سے علاقوں میں اپنا اثر و رسوخ قائم کر لیا۔ یہاں تک کہ ملکہ وکٹوریہ (۱۸۳۷۔۱۹۰۱) نے ہندوستان میں آ کر ایسٹ انڈیا کمپنی کے سیاسی اثر و رسوخ کو اپنے ایک فرمان کے ذریعے ختم کر دیا۔ اِس طرح برصغیر پاک و ہند براہ راست برطانیوی حکومت کے زیرِ نگیں آ گیا۔

● **سیتا جی کو راون لے گیا** (جلد سوم، ص: ۵۷)

سیتا راون کی داستان ہندو بڑے ادب و احترام سے سُنتے بھی ہیں اور سُناتے بھی ہیں کہانی کچھ اِس طرح ہے کہ سیتا راجہ جنک کی بیٹی تھی جسے ویدوں میں زمیں کی بیٹی بھی کہا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک روز قحط کے زمانے میں راجہ جنک کھیت میں ہل چلا رہے تھے کہ ہل سے ٹکرا کر زمین سے ایک لڑکی نکل آئی یہ سیتا تھی۔ اچھے طریقے سے اِس کی پرورش کی گئی جب بڑی ہوئی تو رام چندر سے بیاہ دی گئی۔ سیتا پاک دامن اور نیک عورت تھی۔ ایک دن جنگل میں راون (سری لنکا کا راجہ) نے موقع پا کر سیتا کو اُٹھا لیا اور لے گیا۔ جب بچاؤ کی کوئی صورت باقی نہ رہی تو اُس نے اپنے زیور گلوبند اور پازیب راستے میں پھینک دیئے بعد میں اِنہی زیورات کی مدد سے کھوج لگاتے ہوئے رام، راون تک پہنچا اور اُسے شکست دے کر سیتا کو واپس لے آیا۔ لوگ رام کو طعنے دینے لگے کہ سیتا راون کے پاس اِتنا عرصہ رہ کر کس طرح پاکباز رہ سکتی ہے چنانچہ سیتا نے ہندو دھرم کے مطابق آگ پر چل کر اپنی بے گناہی کا ثبوت پیش کیا۔ لیکن عوام نے رام کے فیصلے کو رد کر دیا چنانچہ رام نے اپنی بیوی کو تیاگ دیا۔ بعد ازاں سیتا کے ہاں دو بچے پیدا ہوئے۔ دونوں کی پرورش بھی اِسی جنگل میں ہوئی۔ جب بچے پندرہ برس کے ہوئے تو ایک روز اتفاقاً شکار کھیلنے کے موقع پر رام سے سامنا ہوا۔ دونوں کے آپس میں ٹھن گئی۔ زور دار مقابلے کے بعد بھی کسی فریق نے شکست تسلیم نہ کی۔ آخر سیتا کی مداخلت سے رام نے اپنے بچوں کو پہچان لیا اور وہ اِن سب کو لے کر ایودھیا لے آیا۔ مگر رام کی مسلسل لاپرواہی اور لوگوں کے طعنوں سے ستیا پریشان رہتی تھی آخر کار ایک دن اُس نے اپنی دھرتی ماں کو پکارا۔ زمین شق ہوئی اور سیتا اِس میں داخل ہو گئی گویا دھرتی کی بیٹی تھی اور سنسار کو چھوڑ کر دھرتی ہی میں سما گئی اِس طرح رام اپنی بیوی کی اچانک جُدائی سے بہت پریشاں ہوا اور اپنی مرضی سے جان دینا چاہی جس پر دیوتاؤں نے بھی اُس کی اِس خواہش کا احترام کیا۔۲۱

● **جب ہمایوں شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر اور سلطنت ہندوستان کھو کر ایران میں پناہ گزین ہو گیا تھا** (جلد نہم، ص: ۲۸۸)

نصیر الدین ہمایوں، بابر کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ کابل کے محل میں ۶ مارچ ۱۵۰۸ کو پیدا ہوا۔ ۲۹ جنوری ۱۵۳۰ کو

ہندوستان کے تخت پر بیٹھا اور ۲۸ جنوری ۱۵۵۶ کو اُس نے دہلی میں اپنے کتب خانے کے زینے سے گر کر وفات پائی۔ ہمایوں کو اپنے بھائیوں کی بے وفائی اور اپنی کج روی کی وجہ سے تختِ ہندوستان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ شیر خاں سے شکست کھانے کے بعد ایران کی طرف فرار ہونا پڑا۔ جب ہمایوں ایران پہنچا تو وہاں کے بادشاہ شاہ طہماسپ صفوی نے اِس سے شاہانہ برتاؤ کیا اور بڑی خاطر مدارت کی۔ جب ہمایوں نے واپسی کا ارادہ کیا تو طہماسپ نے بارہ ہزار فوجیوں کا لشکر ہمایوں کے ساتھ کیا۔ اِس طرح ہمایوں نے موقع پا کر کابل، قندھار اور پنجاب کو فتح کیا اور جون ۱۵۵۵ میں سر ہند کے مقام پر سکندر شاہ سوری کو شکست دی اور تاریخ ہند کے میدان سے پندرہ برس غائب رہنے کے بعد فاتح کی حیثیت سے نہایت شان و شوکت سے دوبارہ تخت ہندوستان پر جلوہ افروز ہوا۔۲۲

یہ اُردو زبان و ادب کی خوش قسمتی ہے کہ جب یہ ترقی کرتے کرتے میدان تحقیق کی نہج پر پہنچی تو اُسے حافظ محمود شیرانی جیسا محقق و نقاد اور مدون میسر آیا۔ حافظ شیرانی نے تحقیق، تنقید اور تدوین کے موضوع پر کوئی با قاعدہ کتاب تو تحریر نہیں کی لیکن اُن کے تنقیدی اور تحقیقی مقالات سے ''اصول تحقیق و تنقید'' مرتب کیے جا سکتے ہیں اِسی طرح اُن کے تدوینی کام ''مجموعہ نغز'' (۱۹۳۳) اور ''خالق باری'' (۱۹۴۴) نے ادب کے قاری کو ''اصول تدوین'' کے گُر سکھائے۔ اِسی لیے حافظ محمود شیرانی اُردو ادب میں تحقیق کے ''معلم اوّل'' قرار پائے۔ مقالات حافظ محمود شیرانی کے مطالعہ سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ جب بھی کسی مضمون یا مقالے میں واقعہ یا سانحہ کا ذکر کرتے ہیں تو قاری کے سہولت کے لیے ''سن'' وغیرہ کا ذکر ضرور کرتے ہیں۔ بعض اوقات اہم واقعات کی توضیح کی بجائے سرسری تعارف پر اکتفا کرتے ہیں۔ زیرِ نظر مضمون میں کوشش کی گئی کہ ''مقالات حافظ محمود شیرانی'' میں جن واقعات و سانحات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اُن کا مختصر طور پر تحقیقی و توضیحی جائزہ پیش کیا جائے جس سے نہ صرف ادب کے قاری کا رشتہ زبان و ادب سے مستحکم ہو بلکہ اُس کے خزینہ معلومات میں بھی اضافہ ہو۔

حواشی:

۱۔ مظہر محمود شیرانی، ڈاکٹر، حافظ محمود شیرانی اور اُن کی علمی و ادبی خدمات (جلد اوّل)، لاہور: مجلس ترقی ادب کلب روڈ، جون ۱۹۹۳ء، متعدد صفحات

۲۔ عبد القادر، سر، شیخ، مضمون: حافظ محمود شیرانی مرحوم، مشمولہ: اورینٹل کالج میگزین، شیرانی نمبر، فروری ۱۹۴۷ء، ص: ۴

۳۔ رشید حسن خاں، مضمون: شیرانی کی تاریخی اہمیت، مشمولہ: حافظ محمود شیرانی، شیرانی سمینار (۳۰ اور ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۰ء) میں پڑھے گئے مقالات، پٹنہ، بہار اُردو اکادمی ۸/ بی سری کرشنا پوری، ۱۹۸۲ء، ص: ۲۳

۴۔ خلیق انجم، ڈاکٹر، مضمون: محمود شیرانی کا قیام لندن، مشمولہ: حافظ محمود شیرانی ...... تحقیقی مطالعے، مرتبہ: پروفیسر نذیر احمد، نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۹۱ء، ص: ۱۳۹۔۱۴۰

۵۔ محمد شفیع، مولوی، مضمون: مرحوم حافظ محمود خاں شیرانی، مشمولہ: اورینٹل کالج میگزین، شیرانی نمبر فروری ۱۹۴۷ء، ص: ۲۱

۶۔ شیرانی، حافظ محمود خاں، پنجاب میں اُردو، محمد اکرام چغتائی (ترتیب و تدوین مع اضافات)، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، ص: ۶۱۵

۷۔ ذبیح اللہ صفا، پروفیسر، ڈاکٹر، (مولف): فارسی ادب کے ارتقاء کی مختصر تاریخ، عظمٰی عزیز خاں (مترجم)، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۰۱ء، ص: ۵۹۔۶۰

۸۔ بدخشانی، مقبول بیگ، مرزا، ادب نامہ ایران، لاہور: نگارشات ۳ ٹمپل روڈ، س ن، ص: ۴۰۷

۹۔ ایضاً، ص: ۵۱۔۵۳

۱۰۔ نظام الدین احمد، خواجہ، طبقات اکبری، جلد اوّل، محمد ایوب قادری (ترجمہ و ترتیب)، لاہور: اُردو سائنس بورڈ، طبع دوم، ص: ۷۷۔۷۹

۱۱۔ وحید قریشی، ڈاکٹر، (مدیر خصوصی)، تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند، چھٹی جلد (اُردو ادب اوّل)، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۷۱ء، ص: ۶۳۵

۱۲۔ بشیر الدین احمد، واقعات دارالحکومت دہلی، جلد اوّل، دہلی: اُردو اکادمی، ۱۹۱۹ء، ص: ۲۰۱

۱۳۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اُردو، جلد اوّل، قدیم دور (آغاز سے ۱۷۵۰ تک)، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع دوم، ۱۹۸۴ء، ص: ۱۴۸۔۱۸۹

۱۴۔ سجان رائے بٹالوی، خلاصۃ التواریخ، ڈاکٹر ناظر حسن زیدی، (مترجم)، لاہور: مرکزی اُردو بورڈ، بار اوّل ۱۹۶۶ء، ص: ۴۵۳

۱۵۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اُردو، جلد اوّل، قدیم دور، لاہور: مجلس ترقی ادب، جنوری ۱۹۸۴ء، ص: ۱۳۲۔۱۳۹

۱۶۔ انوری بیگم، ڈاکٹر، قدیم دکنی شاعری میں مشترکہ کلچر، دہلی: کتابی دُنیا، ۲۰۰۳ء، ص: ۲۹

۱۷۔ قادری، شمس اللہ، حکیم، تاریخ زبان اُردو یعنی اُردوئے قدیم، لکھنؤ: مطبع منشی نول کشور، ۱۹۲۵ء، متعدد صفحات

۱۸۔ ہاشمی، نصیر الدین، دکن میں اُردو، لاہور: اُردو مرکز، ۱۹۶۰ء، ص: ۴۹

۱۹۔ مبارک علی، ڈاکٹر، برطانوی ہندوستان، لاہور: ایکشن ایڈ انٹرنیشنل پاکستان، ۲۰۰۷ء، ص: ۱۴۔۱۶

۲۰۔ باری، کمپنی کی حکومت (تاریخ)، لاہور: نیشنل بُک فاؤنڈیشن، ۱۹۷۶ء، ص: ۶۹

۲۱۔ عبدالحق، مہر، ڈاکٹر، ہندوصنمیات، ملتان: بیکن بُکس، ۱۹۹۳ء، ص: ۲۰۳۔۲۱۶

۲۲۔ بشیر الدین احمد، واقعات دارالحکومت، دہلی: متعدد صفحات